چند لمحے علامہ اقبالؒ کے ساتھ

ماہرالقادریؒ

علامہ اقبال کی شاعری اور ان کی شخصیت سے بدوِشعور ہی سے متاثر تھا۔ یہ واقعہ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ تاثر طویل مدت گزرنے کے بعد آج بھی دل پر نقش ہے۔ جب اقبال کی یہ غزل ؎

کبھی اے حقیقتِ منتظر ، نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں، مری جبینِ نیاز میں

میری نظر سے گزری تو ایسا محسوس ہوا جیسے میں فکر وسخن کی نئی دنیا میں آ گیا ہوں۔ یہ آہنگ ہی دوسرے شعرا کی صداؤں سے ممتاز اور یہ لَے ہی دوسروں کی لَے سے نرالی ہے۔ اس کے بعد اقبال کا کلام جس رسالے اور اخبار میں نظر آجاتا، شوق وعقیدت کے ساتھ پڑھتا!

شاعری کے آغاز کے بعد دوسرا دور وہ آیا کہ میرا کلام پرچوں میں چھپنے لگا۔ روز نامہ سیاست لاہور سے نکلتا تھا۔ اس اخبار کی اچھی خاصی شہرت اور مقبولیت تھی۔ سیّد حبیب جلال پوری اس کے ایڈیٹر تھے۔ میری غزلیں سیاست اخبار میں شائع ہوتی تھیں۔ میں نے سیّد حبیب جلال پوری کو خط لکھا کہ: ''ڈاکٹر صاحب کا پتا مطلوب ہے اور ہاں، یہ بھی لکھیے کہ ان کو خط لکھا جائے، تو کیا وہ جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟'' میرے خط کے جواب میں انھوں نے اقبال کا پتا لکھا، محلے کا نام غالباً 'قلعہ گوجر سنگھ' تھا [سیّد حبیب نے 'انارکلی' یا 'میکلوڈ روڈ لکھا ہوگا۔ ادارہ]، اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ علامہ اقبال کا جواب دینا نہ دینا تو مکتوب کی نوعیت پر منحصر ہے۔

گاؤں کی سادہ زندگی تھی۔ 'رائٹنگ پیڈ' وغیرہ کے تکلفات سے وہاں کی معاشرت یکسر

○ ماہرالقادری (۳۰ جولائی ۱۹۰۶ء- ۱۲ مئی ۱۹۷۸ء) مدیر ماہ نامہ فاران کراچی (اجرا: اپریل ۱۹۴۹ء)

نا آشنا تھی۔ میں نے اللہ کا نام لے کر جوابی کارڈ لکھ دیا جس میں علامہ مرحوم سے درخواست کی کہ آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اقبال نے ہاتھ کے ہاتھ جواب دیا، افسوس ہے وہ تحریر میری غفلت اور بے پروائی کے سبب ضائع ہوگئی۔ چھے سات سطروں کا خط تھا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا: ''شاعری کے لیے کسی تلمذ کی ضرورت نہیں ہے، البتہ زبان کی درستی کے لیے اس کی ضرورت پیش آتی ہے اور آپ خود یوپی کے رہنے والے ہیں''۔

میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اس جواب سے شاید دل شکستہ ہو جاتا مگر اقبال کے اس جواب کو پڑھ کر میرے قلب نے ذرا برابر ناگواری محسوس نہیں کی۔ دل مطمئن تھا کہ اُن کے کلام سے کسی واسطے کے بغیر استفادہ کرتا رہوں گا اور عقیدت و محبت کی دنیا میں بُعدِ مکانی نامعتبر ہے کہ اصل اعتبار تو قربِ روحانی کا ہے۔

میں سوچتا تھا کہ علامہ اقبال ہمارے نواح میں تشریف لے آئیں تو ان کے دیکھنے کا ارمان پورا کر لوں۔ یہ تمنا دل ہی دل میں پرورش پاتی رہی یہاں تک کہ میں چار پانچ سال حیدرآباد دکن رہ کر بجنور چلا آیا۔ بجنور سے اخبار مدینہ نکلنا شروع ہوا تھا۔ اس کی ادارت سے میں متعلق تھا۔ ملک نصراللہ خاں عزیز مدیر مسئول تھے۔ انھی دنوں ۱۹۳۳ء میں میرا بدایوں جانا ہوا۔ مولانا عبدالقدیر بدایونی مرحوم نے فرمایا کہ: ''دہلی میں بڑے پیمانے پر 'مسلم کانفرنس' ہو رہی ہے۔ اس میں علامہ اقبال بھی آرہے ہیں، چلو تم بھی چلو!'' اقبال کی آمد کی خبر سن کر میں دہلی چلنے کے لیے فوراً تیار ہوگیا۔

دہلی پہنچ کر ہم مولانا مظہر الدین مرحوم مدیر الامان کے یہاں ٹھیرے۔ صبح سویرے جلسہ گاہ پہنچے۔ نئی دہلی کے ایک ہوٹل میں یہ اجتماع تھا اور سر محمد یعقوب جو ان دنوں مرکزی اسمبلی کے ڈپٹی پریذیڈنٹ تھے، اس اجتماع کے کنونیر تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ کہ علی برادران تو نہرو رپورٹ کی اشاعت کے بعد ہی کانگریس سے علاحدہ ہو چکے تھے، بعض مسلم اکابر تذبذب کی حالت میں تھے کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ پھر بھی مسلمانوں کی اکثریت کانگریس کے ساتھ تھی۔ مسلم لیگ برسوں کی بنی بنائی موجود تھی مگر بے روح اور جامد تھی اور اس دور کے مسلم عوام میں مقبول نہ تھی۔

اس اجتماع میں اکثریت غالب مسلمان وزیروں، سروں اور خان بہادروں کی تھی مگر میری نگاہیں اقبال کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ میں نے انھی کو دیکھنے کے لیے یہ شدِّرِحال [یعنی: سفر کے لیے

تکلیف اُٹھانا، کمربستہ ہوجانا] کیا تھا۔ دفعتاً ہوٹل کے برآمدے میں حرکت سی محسوس کی گئی، جیسے کسی نے بجلی کے تار کو چھیڑ دیا ہو۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اقبال چلے آرہے ہیں۔ رسالوں میں بارہا ان کے فوٹو دیکھے تھے، اس لیے پہچاننے میں ذرا بھی توقف نہیں ہوا۔ وہ ان کا بادامی رنگ کا کوٹ، وہ ان کی شکن آلود سی پتلون، اَبروؤں سے متانت و وقار نمایاں اور چہرے پر عالمانہ تفکر کا ظہور۔ اس جلسے میں وزرا تھے، نواب اور خان بہادر تھے مگر مجھے کسی سے دل چسپی نہ تھی، میری دل چسپی اور توجہ کا مرکز اقبال کی شخصیت تھی۔

پہلے اجلاس کے بعد کھانا کھانے اور ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے وقفہ ہوا۔ قریب ہی سرمحمد یعقوب مرحوم کی کوٹھی تھی، وہاں کھانے کا انتظام تھا۔ اتفاق بلکہ حُسنِ اتفاق کہ مجھے جو نشست ملی، وہ اقبال کی نشست کے بالکل سامنے تھی! اس فرصت کو میں نے غنیمت جانا ع

کبھی کبھی تو یہ لمحے نصیب ہوتے ہیں!

دو اڑھائی بجے دوسرا سیشن شروع ہوا اور تلاوتِ قرآن کے بعد صدر صاحب جو کرسی پر بیٹھے، تو ایک صاحب نے کرسی کھینچ لی اور صدر چاروں شانے چت زمین پر دراز ہو گئے۔ جلسہ گاہ میں خاصہ ہنگامہ ہو گیا۔ دلّی کے کوئی متمول لیڈر تھے، غالباً عبداللہ آٹے والے۔ انھوں نے اپنے کسی حریف کے دو چار گھونسے بھی رسید کیے! بڑی مشکل سے یہ ہنگامہ فرو ہوا۔ بعض لوگوں نے تقریریں کر کے حاضرین کی اسلامی غیرت سے اپیل کی کہ ہندو اخبارات اس ہنگامے کو کس کس طرح اُچھالیں گے اور پڑھنے والے ہم مسلمانوں کے اس اجتماع کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے انتشار اور افراتفری کے بعد جلسے کی کارروائی تو شروع ہو گئی مگر آخر وقت تک بدمزگی باقی رہی۔ چہروں سے خشونت کے ساتھ ندامت کی بھی تراوش ہو رہی تھی۔

عصر کے قریب یہ اجلاس ختم ہوا۔ مولانا عبدالقدیر بدایونی مرحوم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ میں اقبال کے دیکھنے کے لالچ اور ان سے ملنے کو شوق میں دلّی چلا آیا ہوں۔ اس کانفرنس کے مقاصد سے مجھے کوئی دل چسپی نہ تھی۔ انھوں نے موٹر کار منگوائی اور مجھے لے کر مولوی محمد شفیع داؤدی ممبر اسمبلی کی قیام گاہ پر پہنچے۔ اقبال جلسہ گاہ سے اُٹھ کر وہیں تشریف لے گئے تھے۔

اگر میں یہ کہوں کہ مولانا مرحوم نے اقبال سے میرا تعارف کرایا، تو یہ چھوٹا منہ بڑی بات

ہوگی۔ علامہ اقبال سے میرا تعارف اور وہ بھی اس زمانے میں جب میں کسی تعارف کے قابل ہی نہیں تھا____ مگر علامہ اقبال کی عالی ظرفی دیکھیے۔ مجھ سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے:

''جب میں حیدرآباد گیا تو آپ سے ملاقات نہیں ہوئی''۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس وقت تک حیدرآباد دکن نہیں گیا تھا، آپ کی تشریف آوری کے بعد وہاں پہلی بار جانا ہوا۔

اُس کے بعد چائے نوشی ہوئی۔ اقبال کے ساتھ اس ہم نشینی اور چائے نوشی پر میں نے محسوس کیا کہ جذبۂ فخر و مسرت مجھے پھیلا رہا ہے۔ باتوں باتوں میں ایک صاحب نے اقبال سے پوچھا کہ آج کی کانفرنس میں جو ہنگامہ برپا ہوا، اس کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

علامہ اقبال نے چائے کی پیالی اُٹھاتے ہوئے جواب دیا: ''ترکی کی پارلیمنٹ میں تو پستول چل جاتے ہیں''۔ پھر کسی کو اجلاس کے بارے میں کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ علامہ اقبال اعتدال پسند مسلمانوں کے جلسوں کی صدارت بھی کیا کرتے تھے۔ اُن کی سیاست کانگریس کی ہنگامہ آرا سیاست کے مقابلے میں معتدل اور نرم سیاست تھی۔ اُسی نشست میں دو صاحبوں نے علامہ اقبال سے ایک ہی تاریخ میں دو مختلف مقامات پر جلسوں کی صدارت کی درخواست کی، ان میں ایک مولوی صاحب فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔

دونوں دعوت دینے والوں کا اصرار تھا کہ علامہ ہمارے یہاں جائیں، اس پر بحث ہونے لگی۔ تیسرے صاحب نے اقبال سے کہا کہ آپ کہاں جانا چاہتے ہیں، فرمایا: ''یہ دونوں اس کا فیصلہ کرلیں____ رہا میرا معاملہ تو میں تو کھٹرا کھیل فرخ آبادی کھیلنے کو پسند کرتا ہوں''۔

اس پر سب مسکرا دیے، مگر مزاحیہ جملے نے فیصلہ بھی سُنا دیا کہ علامہ اقبال کا رجحان کس مقام اور شہر کی طرف ہے۔

علامہ اقبال سے میری یہ پہلی اور آخری ملاقات تھی____ آہ!

روے گُل ، سیر نہ دیدم و بہار آخر شد

اس کے بعد نا جانے کتنے بڑے بڑے آدمیوں سے یہاں تک کہ بادشاہوں تک سے ملا ہوں، مگر اقبال کے ساتھ جو چند لمحے گزرے ہیں، اس کے نقش کسی ملاقات سے دب نہیں سکے۔ [ہفت روزہ شہاب، لاہور، 'اقبال نمبر'، ۲۴ر اپریل ۱۹۶۰ء]